داغ کی شاعری کا مکالماتی اسلوب

ڈاکٹر محمد نظام الدین

Mob:9718048854

E-mail.nizamindia9@gmail.com

ملخص

داغ دہلوی ایک منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ وہ دہلی وراثت کے محافظ اور عظیم روایات کے امین ہیں۔ داغ دہلوی دبستانِ دہلی کی خصوصیات کے علمبردار ہیں۔ وہ اپنے مخصوص لب ولہجہ اور نا قابل تقلید طرزِ نگارش کے لحاظ سے یکتائے روزگار ہیں۔

داغ کی شخصیت کی تعمیر اور رنگین شاعری کی تزئین میں لال قلعے کی فضا کا اہم حصہ ہے۔ لال قلعہ میں مغل سلطنت کی شمع گل ہو رہی تھی لیکن اردو شاعری کی محفل چراغاں تھی۔ قلعے میں داغ کو دنیا کی ساری نعمتیں اور آسائشیں میسر تھیں۔ داغ کے یہاں ایک چلبلا پن، شرارت، شوخی، چھیڑ چھاڑ، معشوق کو دوٹوک سنا دینا، محبوب پر طنز، بے نیازی و لاپروائی سے کام لینا اور کبھی کبھی اس کو خاطر میں بھی نہ لانا وغیرہ باتیں موجود ہیں۔

جہاں تک داغ دہلوی کے اسلوب اور طرزِ نگارش کا تعلق ہے تو وہ خود داغ کی شخصیت اور تعیش پسند زندگی کی عطا کردہ ہے۔ مزید اس پر قلعہ معلیٰ کا ماحول اور محلات کے قیام کا اثر نمایاں ہے۔ اسی سبب داغ کا طرزِ ادا نشاطیہ ہے اور ان

کے مزاج میں رعنائی ہے۔ ان کے یہاں محاورات، ضرب الامثال اور زبان کا ذائقہ بکثرت ہے۔ ان کے یہاں الفاظ کی نشست و برخواست استادانہ ہے۔ ان کے کلام میں سلاست اور سادگی بلا کی

ہے اور اس میں سحر آفرینی و رنگینی حد درجہ ہے۔ ان کے اسلوب میں کہیں بھی آورد کا احساس نہیں ہوتا بلکہ آمد ہی آمد کا احساس موجزن ہے۔ اس لیے داغ کا اسلوب ایک منفرد اسلوب ہے۔

☆☆☆

جہانِ شعر و سخن میں داغ دہلوی ایک منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ وہ اپنی شاعرانہ عظمت کے ساتھ شاعری کے افق پر جلوہ گر ہیں۔ وہ دہلی وراثت کے محافظ اور عظیم روایات کے امین ہیں۔ داغ دہلوی دبستانِ دہلی کی خصوصیات کے علمبردار ہیں۔ وہ اپنے مخصوص لب ولہجہ اور نا قابل تقلید طرزِ نگارش کے لحاظ سے یکتائے روزگار ہیں۔ انہوں نے اردو شاعری کو ایسی فصیح و بلیغ زبان اور ایسا دلکش اسلوب عطا کیا کہ جس کی نظیر اردو شاعری میں بمشکل ملتی ہے۔

داغ کی شخصیت کی تعمیر اور رنگین شاعری کی تزئین میں لال قلعے کی فضا کا اہم حصہ ہے۔ لال قلعہ میں مغل سلطنت کی شمع گل ہو رہی تھی لیکن اردو شاعری کی محفل چراغاں تھی۔ قلعے میں داغ کو دنیا کی ساری نعمتیں اور آسائشیں میسر تھیں۔ داغ کے مزاج، ان کی شاعری، ان کے افکار و نظریات اور زندگی کے بارے میں ان کے رویے کی تہذیب و ترتیب میں ان سارے عناصر کی کارفرمائی تھی۔ دہلی کے بعد داغ نے رام پور کا رخ کیا۔ وہاں بھی ان کی زندگی خاصی اطمینان بخش گزری۔ اس کے بعد حیدر آباد کی طرف کوچ کیا۔ وہاں بھی دنیائے شعر و ادب میں انہوں نے اپنا سکہ بٹھایا اور نواب میر محبوب علی خان کی سرپرستی، فیاضی اور داد و دہش سے مستفید ہوئے۔ غرضیکہ داغ کی زندگی رنگینیوں میں گزری ہے۔ ان کی شاعری میں اسی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ان کے یہاں ایک چلبلا پن، شرارت، شوخی، چھیڑ چھاڑ، معشوق کو دوٹوک سنا دینا، محبوب پر طنز، بے نیازی و لاپروائی سے کام لینا اور کبھی کبھی اس کو خاطر میں بھی نہ لانا وغیرہ باتیں موجود ہیں۔

داغ نے اپنے مطلب کے اظہار کے لئے جس طرز بیان، طریقۂ کار اور اسلوب کا سہارا لیا ہے، وہ بادِ نو بہار اور شاہانہ طرزِ زندگی سے عبارت ہے۔ کیونکہ اسلوب ایک ایسا طرزِ بیان اور طرزِ تحریر ہے جس میں تخلیق کار اپنے داخلی اور خارجی عوامل کو ایک دلکش اور مؤثر پیش کش کی صورت میں اپنے قاری کے روبرو ہوتا ہے۔ داغ کا اسلوب بھی جاذبِ نظر اور پرکشش ہے جو قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اسلوب کیا ہے؟ اسلوب کی اہمیت کیا ہے اور اسلوب عہد کو متاثر کرتا ہے یا عہد اسلوب کو؟ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات اور تفصیلات کتابوں میں موجود ہیں، جن سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ یہاں افہام وتفہیم اور مناسبت کے لحاظ سے اتنا بیان کرنا موزوں ہے کہ اسلوب ایک طرز اظہار کا نام ہے جس سے تحریر میں جاذبیت اور کشش پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی فنکار اپنے مخصوص طرز نگارش میں کسی خیال کی ترسیل کرتا ہے تو وہی مخصوص طرزِ نگارش اس کا اسلوب کہلاتا ہے۔ اسلوب کی گتھی کو سلجھانے کے لئے ادیبوں نے بہت ریاضت سے کام لیا ہے۔ عابد علی عابد، سید عبداللہ، ممتاز شیریں، ڈاکٹر رشید امجد، ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش، اور محمد احسن فاروقی نے اسلوب کے حوالے سے عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ یہاں چند ادیبوں کے قول کو نقل کیا جا رہا ہے تا کہ مفہوم واضح ہو جائے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''اسلوب سے مراد بات کو بلیغ انداز میں پیش کرنا ہے اور وہ تمام وسائل استعمال کرنا مراد ہے، جن سے کوئی ادبی تحریر موثر ثابت ہو سکتی ہو۔'' (طیف نثر۔ص:22)

عابد علی عابد نے لکھا ہے:

> ''اسلوب دراصل فکر ومعانی اور ہیئت وصوت یا مافیہ وپیکر کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔'' (اسلوب۔ص:93)

دراصل زبان پر دسترس، صرف ونحو سے واقفیت، صنعتوں، علامتوں اور علمِ کلام سے شناسائی، اظہار وبیان کی نزاکتوں کا علم، الفاظ کا ذخیرہ، اسلوب کا خام مواد ہے۔ کیونکہ اسلوب خیالی دنیا میں تشکیل نہیں پاتا بلکہ ٹھوس الفاظ کے موزوں استعمال سے تعمیر ہوتا ہے۔ البتہ فنکار کی ذاتی کاوش اور فنی مہارت اسے ایک منفرد شکل دینے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ ممتاز شیریں نے اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی ہے، جو معقول معلوم ہوتا ہے۔ لکھتی ہیں:

> ''ایک برتن بنانے کے لئے سب سے پہلے مٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے مواد سمجھ لیجئے پھر اس میں رنگ ملایا جاتا ہے۔ یہ 'اسلوب' ہے۔ پھر کاریگر مٹی اور رنگ کے مرکب کو اچھی طرح گوندھتا، توڑتا،

مروڑتا، دباتا، کھینچتا، کسی حصے کو گول، کسی کو چوکور، کہیں سے لمبا، کہیں سے
گہرا کرتا اور مخصوص شکل پیدا ہونے تک اسی طرح ڈھالتا چلا جاتا ہے۔''

(معیار، اشاعت اول، لاہور، 1963، ص:17)

جہاں تک داغ دہلوی کے اسلوب اور طرزِ نگارش کا تعلق ہے تو وہ خود داغ کی شخصیت اور تعیش پسند زندگی کی عطا کردہ ہے۔ مزید اس پر قلعہ معلّٰی کا ماحول اور محلات کے قیام کا اثر نمایاں ہے۔ اسی سبب داغ کا طرزِ ادا نشاطیہ ہے اور ان کے مزاج میں رعنائی ہے۔ ان کے یہاں محاورات، ضرب الامثال اور زبان کا ذائقہ بکثرت ہے۔ ان کے یہاں الفاظ کی نشست و برخواست استادانہ ہے۔ ان کے کلام میں سلاست اور سادگی بلا کی ہے اور اس میں سحر آفرینی و رنگینی حد درجہ ہے۔ ان کے اسلوب میں کہیں بھی آورد کا احساس نہیں ہوتا بلکہ آمد ہی آمد کا احساس موجزن ہے۔ اس لیے داغ کا اسلوب ایک منفرد اسلوب ہے اور اُسے داغ سے جدا کرنا ناممکن ہے۔

داغ کو امامِ فن ہونے میں خود ان کے شاعرانہ بانکپن اور شوخیٔ بیان کو دخل ہے۔ اقبال کی زبان میں:

اب کہاں وہ بانکپن، وہ شوخیٔ طرز بیاں
آگ تھی کافور پیری میں جوانی کی نہاں

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
اٹھ گیا ناوک فگن ، مارے گا دل پر تیر کون

داغ نے جس وقت شاعری کا آغاز کیا اس وقت غالب، مومن، ذوق اور بہادر شاہ ظفر کی شہرت ہر سو تھی۔ غالب فلسفیانہ مضامین کے دریا بہا رہے تھے۔ مومن معاملہ بندی میں اپنی شناخت بنا چکے تھے۔ ذوق زبان و محاورے پر زور دیئے ہوئے تھے۔ ظفر مشکل ریف اور قافیے میں طبع آزمائی کر رہے تھے۔ ایسے سخنوروں کے درمیان انفرادی پہچان بنانا داغ کے لئے کسی چیلنج سے کم نہ تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی افتادِ طبع کے سبب اپنی راہِ سخن اور طرزِ گفتار الگ بنائی۔

رام بابو سکسینہ نے داغ کی شاعرانہ عظمت پر مفصل گفتگو کی ہے۔ داغ کی شاعری کے تمام

پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ رام بابو سکسینہ نے داغ کی شاعرانہ عظمت کے راز سے پردہ اٹھایا ہے اور انہوں نے ان کی عظمت کا راز تین چیزوں کو قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''داغ کی عظمت ان تین چیزوں پر موقوف ہے۔ یعنی (۱) ان کی عام شہرت (۲) ان کا خاص طرز (۳) وہ خدمات جو انہوں نے زبان کے ساتھ انجام دیں۔ داغ میٹھی، سریلی اور عاشقانہ شاعری کے مسلم الثبوت استاد ہیں، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ پیچیدہ اور گنجلک ترکیبوں اور موٹے موٹے غیر مانوس فارسی اور عربی الفاظ کو انہوں نے اپنے کلام میں جگہ نہیں دی، اس سے ان کا کلام تصنع اور تکلف سے خالی ہے۔ الفاظ نہایت سادہ اور معمولی، ترکیبیں سیدھی سادی اور درست۔ بندش نہایت چست، شعر کی ظاہری زیب وزینت یعنی صنائع بدائع کی کثرت اور دور از کار تشبیہوں اور مبالغہ اور حشو وزائد سے پاک ہے.....ان کے اشعار کسی نہ کسی جذبہ، انسان کے سچے فوٹو ہیں اور چونکہ ان جذبات کا اظہار نہایت سلیس اور عام فہم عبارت میں ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دلوں پر ہمیشہ تیر ونشتر کا کام دیتے ہیں۔'' (مقدمہ، منتخبات داغ، احسن مارہروی، ص:و)

مذکورہ اقتباس گرچہ طویل ہے لیکن داغ کے اسلوب کو سمجھنے میں کافی حد تک معاون ہے۔ داغ کی شاعری کے مطالعے کے بعد ان کے اسلوب کی چند خاصیتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں:

☆ داغ کے اسلوب کا کمال ہے کہ ان کا کلام سننے والے کے دل پر فوری اثر کرتا ہے۔ تاثیرِ سخن میں داغ کو ملکہ حاصل ہے۔

☆ داغ قدرتی شاعر ہیں، جنہیں قدرت نے بہترین اسلوب عطا کیا ہے۔

☆ داغ کے اشعار زبان حال سے پکار کر کہتے ہیں کہ ہم داغ کے اشعار ہیں۔

☆ داغ اپنے اسلوب کے موجد ہیں کسی کے مقلد نہیں۔

☆'گلزار داغ' اور' آفتاب داغ' میں شاعری کی تمام خصوصیتیں موجود ہیں۔شیرینی بیان اور لطف زبان قابل رشک اور دلنشیں ہیں۔

☆ داغ کے یہاں فصیح الفاظ، چست بندش اور موزوں محاورات کا استعمال خوب تر ہے۔

☆ داغ کا اسلوب شوخی بیان ہے۔داغ کی پرورش و پرداخت چونکہ قلعہ معلیٰ میں ہوئی تھی، اس لئے ان کی طبیعت میں شوخی پن درآنا لازمی تھا۔

☆ داغ کے کلام میں جدتِ ادا کامیابی کی آخری منزل پر ہے، جس کے سبب ان کے کلام میں بے ساختگی موجود ہے۔

☆ داغ کا اسلوب صاف اور بالکل واضح ہے۔تعقید اور پیچیدگی سے پاک ہے۔غیر مانوس الفاظ اور تراکیب سے عاری ہے۔

☆ داغ نے اپنے اسلوب اور سہل زبان کے ذریعے اردو اور ہندی کا تنازع بہت حد تک کم کر دیا ہے۔

☆ داغ نے اپنے کلام میں ہندی الفاظ کے استعمال سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔

☆ زبان کو آسان اور سہل بنانے کے لئے داغ نے اپنے اردگرد کے بول چال اور محاوروں کا استعمال بہتر ڈھنگ سے کیا ہے۔

☆ داغ سے زیادہ کسی اور شاعری نے آسان، سہل اور منفرد لب ولہجہ میں کلام پیش نہیں کیا۔

داغ کی شاعری کے بارے میں عام رائے ہے کہ حسن و جمال کی رعنائیوں سے لذت حاصل کرنے کی تمنا، کیف و مستی کی فضاؤں سے سرور لینے کی آرزو، بھرپور شباب کی رنگینیوں میں ڈوبے رہنے کی ہوس اور جنسی خواہشوں کے غلبے کے ساتھ حسین عورتوں کی جوانی سے تلذذ حاصل کرنے کی حسرت ہی داغ کے لئے سب کچھ تھی۔یہی وہ تمام باتیں ہیں جو داغ کی شاعری کو آفاقی بننے میں رکاٹ بنیں، لیکن اس کے باوجود ان کی آواز میں ایک کھنک اور ان کے رنگ و آہنگ میں ایک گرج ضرور پیدا ہوگئی، جو اس وقت کی آواز اور اسلوب سے ممتاز تھی۔

داغ کی شاعری میں ہجر کی باتیں کم اور وصال کے قصے زیادہ ہیں۔انہوں نے محبوب کو پانے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ محبوب خود ان کا ہوگیا۔ان کے کلام میں محبوب کے حسن کا ذکر، رنگِ رخ،

خدوخال اورلب ورخسار کی حکایات زیادہ ہیں،اسی لئے داغ نے ان کوکئی طرح سے بیان کیا ہے۔متکلم کے مکالماتی اسلوب سے پُر یہ اشعار دیکھیئے:

قیامت ہے بانکی ادائیں تمہاری ادھر آؤلے لوں بلائیں تمہاری
تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتادو مجھ کو دوسرا کوئی تو اپنا سا بتادو مجھ کو

خاطر سے یالحاظ سے میں مان تو گیا جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
دیکھا ہے بت کدے میں جواے شیخ کچھ نہ پوچھ ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا
ہوش وحواس وتاب و تواں جاچکے ہیں داغ
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا
خاطر سے یالحاظ سے میں مان تو گیا جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
دیکھا ہے بت کدے میں جواے شیخ کچھ نہ پوچھ ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

کب کسی درکی جبہہ سائی کی شیخ صاحب نماز کیا جانیں
جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے آپ بندہ نواز کیا جانیں

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے دل سے سب کچھ بھلادیا تونے

زبان کی لطافت اور روانی کے اعلیٰ نمونے جو داغ کے یہاں ملتے ہیں وہ کہیں اور نہیں ملتے۔ ان کے یہاں عشق کی نیرنگیاں کم اور عشق بازیاں زیادہ ہیں جو اثر دار زبان کے سہارے آگے بڑھتی ہیں۔ ان کے یہاں دلی کی ٹھیٹھ زبان ایک خوشگوار اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔سرور ونشاط سے لبریز لب ولہجہ اور دلی کی بولی وزبان پر مکمل دسترس داغ کی شاعری کی مقبولیت کا راز ہے۔داغ کے یہاں خوبصورت اشعار کا تصور رنگینیٔ بیان سے وابستہ ہے اور سادگی سے بھی۔ بقول فراق گورکھپوری:

''دلی کی بولی ٹھولی اپنی پوری موج زنی کے ساتھ داغ کی غزلوں میں
لہرا رہی ہے۔ داغ کے لئے رائے عامہ بالکل سچائی پر تھی کہ یہ شخص
زبان کا لاثانی جادوگر ہے۔ اردو شاعری نے داغ کے برابر کا فقرہ باز
آج تک پیدا کیا ہے اور نہ آئندہ پیدا کر سکے گی۔...داغ کا تغزل
سراسر واسوخت سہی لیکن اس کا بے پناہ قوتِ اظہار کا لوہا ماننا
پڑتا ہے۔'' (نگار، اپریل۔1953)

داغ کی شاعری کے تیور بڑے بانکے ہیں۔ ان کی شاعری روایتی شاعری سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے بھی کچھ نئے پن کی حامل نظر آتی ہے اور ان کے مخصوص مزاج کی دین ہے۔ داغ کے مزاج اور ان کے منفرد اسلوب نے اردو شاعری کے روایتی موضوعات کو نیا رنگ و آہنگ دیا۔ معشوق سے داغ کا رویہ، رقیب سے برتاؤ اور زاہد و ناصح سے مراسم، ان سب میں داغ نے اپنے جاہ و جلال کو برقرار رکھا ہے۔ ان کی مقبولیت کا اصل سبب ان کے اسلوب اور لہجے کی طرح داری ہے۔

آپ کے سر کی قسم، داغ کو پروا بھی نہیں آپ کے ملنے کا ہوگا جسے ارمان ہوگا

کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو خوب رویوں سے جہاں خالی نہیں
پوچھے تو کوئی حضرتِ واعظ سے اتنی بات ایسے ہی تھے جناب کیا عہد شباب میں

داغ اپنی لذت پرستی، عیش کوشی اور ہوسنا کی کے باوجود اپنے آس پاس کے ماحول سے لاعلم نہیں تھے۔ دلی کیا ویران اور برباد ہوئی داغ کا دل ویران و برباد ہو گیا۔ اجڑتی دلی کو دیکھ کر داغ بے قرار ہو گئے اور درد سے ان کا دل تڑپنے لگا، اس کا اثر ان کے اسلوب پر گہرا پڑا، جس کی جھلک 'شہر آشوب' میں ملتی ہے۔ 'شہر آشوب' کو داغ نے ایسا اسلوب عطا کیا ہے جو بے مثل اور بے عدیل ہے۔ کہنے کو تو 'شہر آشوب' ایک غزل ہے لیکن وہ دل اور دلی کا مرثیہ ہے۔ اسے داغ کی فنی صلاحیت اور اسلوبیاتی مہارت نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یوں مٹا جیسے کہ دہلی سے گمانِ دہلی تھا مرا نام و نشان ، نام و نشان دہلی
آسماں پر سے بھی نوحے کی صدا آتی ہے کیا فرشتے بھی ہوئے مرثیہ خوانِ دہلی

مندرجہ ذیل شعر میں بھی داغ کا بیانیہ اسلوب لاجواب ہے، جس میں دہلی کی تباہی و بربادی کا

منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے:

لوگ کہتے ہیں بنا، دلی بگڑ کر لکھنؤ پر کہاں اے داغ اس اجڑے ہوئے گھر کا جواب
داغ دلی تھی کسی وقت میں یا جنت تھی سیکڑوں گھر تھے وہاں رشکِ ارم، ایک نہ دو

'شہر آشوب' سے داغ کی وطن پرستی اور وطن پرستی کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ وہ صرف معاملہ بندی، گل وبلبل اور حسن و جمال ہی کے شاعر تھے بلکہ دہلی کی بربادی اور مغلیہ سلطنت کی شکست وریخت کے مصور بھی تھے۔ بقول فراق گورکھپوری: 'مغلیہ خاندان کی تلوار کی فاتحانہ شان اور چکاچوند کردینے والی چمک دمک جب زندگی اور جذبات کی تاریک پستیوں میں اپنے جلوے دکھاتی ہے تو وہ داغ کی شاعری بن جاتی ہے'۔

داغ نے اپنی شاعری میں انسانی جذبات واحساسات کے اظہار کے لئے رموز وعلائم کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔ معنی خیز استعاروں اور تشبیہوں کا ایک جہانِ تازہ تعمیر کیا ہے۔ تراکیب اور مرکبات وضع کئے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اپنے اندازِ بیان اور اسلوب میں ایک تازگی وندرت بھرلی ہے۔

داغ کی شاعری کے مطالعے کے بعد یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ان کے یہاں لذت پرستی اور جنسیت کی فراوانی بھی ہے، لیکن اس کے باوجود بہت کم اشعار ایسے ہوں گے جہاں وہ تہذیب کے دائرے سے باہر ہوئے ہوں۔ انہوں نے اپنے عہد کی اعلیٰ تہذیبی اقدار کا بھرپور لحاظ رکھا ہے۔ اگر کچھ اشعار مذاق سلیم پر گراں گزرتے ہیں تو انہیں داغ کی پرورش اور ماحول پر محمول کرنا چاہئے۔ ذیل کے اشعار دیکھئے، جس میں داغ کا اسلوب مذاق سلیم کے خلاف معلوم ہوتا ہے:

شب وصل ایسی کھلی چاندنی وہ گھبراکے بولے سحر ہوگئی
لے شب وصلِ غیر بھی کاٹی ہم کو تو آزمائے گا کب تک

شب وصل ایسی کھلی چاندنی وہ گھبراکے بولے سحر ہوگئی
لے شب وصلِ غیر بھی کاٹی ہم کو تو آزمائے گا کب تک

تم کو ہے وصل غیر سے انکار اور ہم نے جو آکے دیکھ لیا

کس نے کہا کہ داغ وفا دار مرگیا وہ ہاتھ مل کے کہتے ہیں کیا یار مر گیا

داغ محبوب کے ساتھ جس خودداری اور جس وقار کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں اس سے عشق کے وقار میں اضافہ اور عاشق کے کردار میں عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ معشوق کو منانے اور خوش کرنے کے لئے شعراء نے طرح طرح کے پیرایۂ بیان اختیار کیے ہیں۔ اپنی مرتبت اور منزلت کا احساس دلانے کے لئے نئے نئے طریقے اپنائے ہیں۔ اس سلسلے میں داغ کا انداز ہی جداگانہ ہے۔ انہوں نے محبوب کو خوش کرنے کے لئے کئی تدابیر جتن کئے ہیں۔ داغ محبوب سے اظہارِ مطلب کے وقت اپنے چہرے پر مصنوعی نقاب نہیں ڈالتے بلکہ اپنے آپ کو حقیقی صورت میں ہی پیش کرتے ہیں۔ داغ اپنی محبوب کو منانے کے لئے شگفتہ بیان اور پرکشش طرزِ اظہار کا سہارا لیتے ہیں۔ جب وہ محبوب سے ہم کلام ہوتے ہیں تو کچھ اس انداز سے ہوتے ہیں:

شب وصل ایسی کھلی چاندنی وہ گھبراکے بولے سحر ہوگئی
لے شب وصلِ غیر بھی کاٹی ہم کو تو آزمائے گا کب تک

تھے کہاں رات کو آئینہ تو لے کر دیکھو اور ہوتی ہے خطاوار کی صورت کیسی
آپ کے سر کی قسم داغ کو پروا بھی نہیں آپ سے ملنے کا ہوگا جسے ارمان ہوگا
تمہیں کہو کہ کہاں تھی یہ وضع، یہ ترکیب ہمارے عشق نے سانچے میں تم کو ڈھال دیا

کیا کہا؟ پھر کہو، ہم نہیں سنتے تیری نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں

شاعری میں رقیب کا اہم رول ہوتا ہے۔ وہ عاشق کو بہت کچھ کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ رقیب کو دیکھ کر شاعر کے نظریے میں تبدیلی آتی ہے۔ شاعر کا لب ولہجہ، طرزِ ادا، اندازِ گفتگو اور اندازِ تخاطب بدل جاتا ہے۔ داغ کے بھی رقیب پیدا ہوگئے تھے۔ منی بائی حجاب سے داغ بھی عشق لڑاتے تھے اور دیگر زندہ دل افراد بھی۔ اس کے علاوہ داغ کے دوسرے محبوب سے بھی رقیب تھے۔ اس لئے داغ اپنے آپ کو عاشقِ صادق اور دوسروں کو رقیبانِ روسیاہ سمجھتے تھے۔ ان رقیبوں کے سبب ان کے لب ولہجہ اور شعری طرزِ سخن میں نمایاں فرق دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شاعری میں جو تیور ہے وہ رندو رقابت کے جذبات اور لب

ولہجہ میں طنز وتعریض کی آمیزش کے سبب ہے۔ ایسے موقع پر داغ کے طرزِ تخاطب اور اسلوب میں سختی آجاتی ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

تمھارے خط میں نیا اک سلام کس کا تھا — نہ تھا رقیب تو آخر وہ نام کس کا تھا
کچھ اور دل لگی نہیں اس خوش نصیب سے — ہم جانتے ہیں کھیلتے ہو تم رقیب سے
ہر اک سے کہتے ہیں کیا داغ بے وفا نکلا — یہ پوچھے ان سے کوئی وہ غلام کس کا تھا
تمہیں رقیب نے بھیجا کھلا ہوا پرچہ — نہ تھا نصیب لفافہ بھی آدھ آنے کا

داغ کی شاعری کا محور ومرکز بزم آرائیاں ہیں۔ یہ بزم ایک طرف محبوب کا شبستان، نغمہ وشعر، جام ومینا اور انداز وادا ہے تو وہیں وصل کی آروز واور ہجر کا دھڑکا بھی ہے۔ بزم آرائی کی جان اندازِ گفتگو ہے۔ جہاں فرصت اور فارغ البالی ہوگی وہاں بزم آرائی یقینی ہے۔ اور جس شاعر کی زندگی میں فارغ البالی وبزم آرائی ہوگی، اس کا شاعرانہ اسلوب نشاطیہ اور خمار یہ ہوگا۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

سُن سُن کے تیرے عشق میں اغیار کے طعنے — میرا ہی کلیجا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
اُن کا یہی سننا ہے کہ وہ کچھ نہیں سنتے — میرا یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ناروا کہیے ناسزا کہیے — کہیے کہیے مجھے برا کہیے
آپ اب میرا منہ نہ کھلوائیں — یہ نہ کہیے کہ مدّعا کہیے

تو نے کی غیر سے کل میری بُرائی کیوں کر — گر نہ تھی دل میں تو لب پر تیرے آئی کیوں کر
آئینہ دیکھ کے وہ کہنے لگے آپ ہی آپ — ایسے اچھے کی کرے کوئی بُرائی کیوں کر
وہ یہاں آئیں وہاں غیر کا گھر ہو برباد — اس طرح سے ہو صفائی میں صفائی کیوں کر

تم سے وفا جو کی ہے ہم سے خطا ہوئی ہے — ایسا قصور کیوں کر انسان کر کے بھولے
تم جو آنا تو چار آنسو گرا کے جانا — ذرا رہے پاس آبرو بھی کہیں ہماری ہنسی نہ کرنا

تم کو کیا ہر کسی سے ملنا تھا — دل ملا کر مجھ ہی سے ملنا تھا

پوچھتے کیا ہو کیوں لگائی دیر اک نئے آدمی سے ملنا تھا
مل کے غیروں سے بزم میں یہ کہا مجھ کو آ کر سبھی سے ملنا تھا
جانتا ہوں کہ میری جان ہے تو اور میں جان سے بیزار یہ کیا

داغ کی زبان اور اسلوب کے حوالے سے ڈاکٹر کامل قریشی نے عمدہ تحریر کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ان کی تحریر سے مختصر اقتباس نقل کیا جا رہا ہے جو داغ کے اسلوب کی تفہیم میں معاون ہے:

''داغ نے معاملاتِ عشق وعاشقی کے اظہار کے لئے جو زبان استعمال کی ہے وہ بالکل ایک الگ موضوع ہے، جس پر سیر حاصل گفتگو درکار ہے۔ زبان کے وہ بادشاہ ہیں۔ دراصل ان کی زبان ہی ہے جس میں روزمرہ محاورات کے بے تکلف استعمال کے ذریعے انہوں نے نازک سے نازک مسائل اور معاملاتِ حسن وعشق کو اتنے سادہ وآسان انداز میں پیش کر دیا کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ وہ اس میدان میں تنہا دکھائی دیتے ہیں۔ اگر داغ نہ ہوتے تو یہ حقیقت ہے کہ ہماری شاعری کو وہ زبان نہ ملتی جو غزل کی صورت میں ہم تک پہنچی ہے۔ انہوں نے جو سادہ اور سلیس زبان استعمال کی ہے اور اسے جو چٹخارہ دیا، جس کیف وسرور سے مالا مال کیا کہ سننے والا وجد ہی کیا رقص میں آ جائے۔ یہ بات ہماری زبان کی تاریخ کا سنہرا باب ہے''۔(داغ۔حیات اور کارنامے۔ص:123)

الغرض، شاعری میں داغ نے اپنے خیالات کی ترسیل کے لئے جس اسلوب کا سہارا لیا ہے، وہ شوخیٔ بیان اور بانکپن کا حامل ہے۔ داغ کے رنگین اسلوب میں قلعہ معلیٰ اور عیش پرست طرزِ زندگی کا بھی اہم رول ہے۔ اس لئے داغ کے اسلوب کو داغ سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے۔

☆☆☆